Gohar e tehqeeq گوہر تحقیق
گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاول پور

Year 2025; Vol 04 (Issue 02)

P. 01- 10 https://journals.gscwu.edu.pk/

ڈاکٹر سبینہ اویس اعوان

پوسٹ ڈاکٹریٹ فیلوشپ سکالر، اوری اینٹل کالج پنجاب یونی ورسٹی لاہور

ڈاکٹر محمد کامران

ڈین، اوری اینٹل کالج پنجاب یونی ورسٹی لاہور

Dr. Sabina Awais

Post Doctorate Fellowship Scholar, Oriental College Punjab University Lahore

Dr. Muhammad Kamran

Dean, Oriental College Punjab University Lahore

اردو افسانے میں ماحولیاتی عناصر.....ایک جائزہ

Environmental Elements in Urdu Afsana....A Review

Abstract

The tradition of Urdu fiction has always reflected human life as well as nature and the environment. The fiction writer has presented the social, cultural and natural problems of his era in the form of art. If we examine the environmental elements, then natural landscapes, changing seasons, forests, rivers, fields, animals, birds and the conditions of the air and atmosphere are prominent in fiction literature on both symbolic and real levels. In the 21st century, the environment has been presented as a serious issue. Pollution, deforestation, overuse of the earth's natural resources, population pressure in cities and climate change have become part of the themes of fiction writers. Fiction writers like Intizar Hussain, Hassan Manzar, Rafiq Hussain, Siddique Alam, Muhammad Hameed Shahid, Tahira Iqbal and Nayyar Iqbal have highlighted these

issues in an artistic manner. In these stories, on the one hand, the beauty of nature and its deep connection with human life are shown, on the other hand, the consequences of environmental degradation and exploitation of natural resources are also highlighted. The short Urdu story, in addition to reflecting human relationships and social problems, also highlights the importance of environmental awareness and connection with nature. This article will examine the environmental elements in Urdu stories.

Keywords: Urdu fiction, environmental elements, fictional literature, environmental degradation, exploitation of natural resources, environmental awareness, nature.

ماحولیاتی عناصر (Environmental Elements) کی تعریف قدرتی ماحول میں موجود عناصر مثلاً ہوا، پانی، زمین، جنگلات، پہاڑ، جانور، پودے اور موسمی حالات وغیرہ ہیں۔ ماحولیاتی عناصر سے مراد وہ تمام قدرتی اور انسانی عناصر ہوتے ہیں جو ماحول کو تشکیل دیتے ہیں۔ ان عناصر کو عام طور پر دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱- قدرتی ماحولیاتی عناصر (Natural Environmental Elements)

یہ وہ عناصر ہیں جو فطری طور پر موجود ہوتے ہیں مثلاً:

ہوا، پانی، مٹّی، روشنی، درجۂ حرارت، پودے اور جانور، پہاڑ، دریا، سمندر وغیرہ۔

۲- انسانی ماحولیاتی عناصر (Human made Environmental Elements)

یہ وہ عناصر ہیں جو انسان نے تخلیق یا تبدیل کیے ہیں۔ مثلاً:

عمارتیں، سڑکیں، کارخانے، زرعی نظام، ٹیکنالوجی اور صنعت۔

زمین کے ساتھ ہی زمینی ماحول کا آغاز نظر آتا ہے۔ ماحولیات کا انحصار بنیادی طور پر طبعی ماحول پر ہے۔

انسان اور فطرت کا رشتہ اُتنا ہی پُرانا ہے جتنا خود انسان کا وجود۔ ماحول جس میں زمین، پانی، فضا، جنگلات، جانور، پرندے اور موسمی حالات شامل ہیں، حیاتِ انسانی کا بنیادی جزو ہے۔ ادب بالخصوص افسانہ اس تعلق کو نہ صرف محفوظ کرتا ہے بلکہ اس میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو بھی بیان کرتا ہے۔ اکیسویں صدی میں ماحولیاتی بحران مثلاً آلودگی، گلوبل وارمنگ، جنگلات کی کٹائی اور قدرتی وسائل کے زیاں نے ادب کو ایک نیا زاویہ عطا کیا ہے۔

اردو افسانے میں ماحولیاتی عناصر سے مراد وہ تمام قدرتی اور سماجی ماحول ہے جو افسانے کے پلاٹ، کرداروں اور واقعات کو متاثر کرتا ہے۔ یہ عناصر افسانے کی فضا بنانے، کرداروں کی ذہنی کیفیات کو اُجاگر کرنے اور کہانی کے پیغام کو قارئین

تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان افسانوں میں ماحول صرف پس منظر کے طور پر ہی نمایاں نہیں ہوتا بلکہ کرداروں، واقعات اور کہانی کے مزاج کو بھی تشکیل دیتا ہے۔

ماحول چار بنیادی عناصر ہوا، پانی، مٹّی اور آگ کا مرہونِ منّت رہا ہے اور انھی عناصر کے توازن سے ماحول برقرار ہے۔ ماحول ہماری زندگی پر اثرانداز ہوتا ہے۔ ہوا، پانی، مٹّی، پودے، درخت، پھل، پھول، چرند پرند، جانور، چوپائے حتیٰ کہ حشرات الارض بھی ماحول کی تبدیلی کا بڑا ذریعہ ہیں۔ ماحولیاتی آلودگی صنعتی ترقی اور گنجان آبادی، درختوں کی کمی، فیکٹریوں کا دھواں ہمارے ماحول کو متاثر کرتے ہیں۔ ماحول کی آلودگی سے سانس کی بیماریاں سموگ جیسے مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ پینے کے صاف پانی کی عدم فراہمی بھی باعثِ زحمت ہے۔

ادبیات میں جب کسی نظم یا نثر میں پھول، پودے، درخت، بیل بوٹے وغیرہ کی علامات یا تشبیہات استعمال کی جائیں تو یہ ماحولیاتی عناصر کی عکاسی ہے۔ ماحول کا جابجا انسان اور انسانی زندگی سے واسطہ ہے اور انسان کا ادب سے گہرا تعلق ہے۔ انسانی زندگی کے مسائل اور خفیہ گوشوں کو ادب ہی ابھارتا ہے اور ادب کا کام بھی انسان کی خواہشاتِ نفسیات، ضروریات اور مسائل کو واضح کرنا اور انسانی زندگی کو تسکین بہم پہنچانا ہے۔ انسان اس کائنات کا مرکز ہے اور انسان ہی کی بدولت اس کائنات کا وجود ممکن ہے۔ فطری دنیا کو دیکھا جائے تو جو برتری اور اولیت انسان کو حاصل ہے وہ کسی اور مخلوق کے حصے میں نہیں آئیں۔ دیگر مخلوقات، نباتات، موجودات میں انسان کو فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ جان بیری کے مطابق:

> "The environment can mean everything that surrounds ever thing that exists …. The roots of the term 'environment' lie in the French word environ which means 'to surround' 'to envelop', 'to enclose'.[1]

ماحولیاتی عناصر کے متعلق سب سے پہلے مغرب میں بات کی گئی جس کا آغاز ایمرس، مارگریٹ، ملیری، اور بعری ڈیویڈ تھورے جیسے فطرت نگاروں سے ہوا جنھوں نے اپنی تصانیف میں ماحول کو خصوصی اہمیت دی اور انسان اور ماحول کی مطابقت کے پیشِ نظر ادب تشکیل دیا۔ انسان کو فطرت پر غلبے کا حق بھی تفویض ہوا اس سے فلسفہ ماحولیات کی راہ ہموار ہوئی اگرچہ فلسفہ ماحولیات فطرت کی جبلی قدر پر انحصار کرتا ہے۔ جہاں ماحولیات نے کائنات کی تمام اشیا کو متاثر کِیا وہاں ادب میں بھی ماحولیات کو دخل حاصل ہوا، شاعری، ناول، انشائیہ اور افسانہ کم و بیش ہر صنف کو متاثر کِیا۔ جہاں بیسویں صدی کے افسانہ نگار مرد و خواتین نے ماحولیات کے موضوع کو اپنے افسانوں میں جگہ دی وہیں اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں نے بھی بڑھتی ہوئی تبدیلی کو محسوس کرتے ہوئے ماحولیاتی عناصر کو اپنے افسانوں میں سمویا ہے تاکہ قارئین میں ماحولیاتی شعور کو اُجاگر کِیا جاسکے۔

پریم چند، کرشن چندر اور احمد ندیم قاسمی جیسے ابتدائی افسانہ نگاروں نے قدرتی مناظر اور دیہی زندگی کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا۔ ان کی تحریروں میں کھیت کھلیان، درخت، نہریں اور موسم صرف منظر کشی کا حصہ نہیں بلکہ کرداروں کی نفسیات اور کہانی کے مزاج سے جڑے ہوئے ہیں۔ انتظار حسین، حسن منظر اور رشید امجد کے افسانوں میں فطرت ایک علامتی جہت اختیار کر لیتی ہے۔ جنگل، دریا یا بارش انسانی کیفیت کا استعارہ بن جاتے ہیں۔ محمد حمید شاہد، طاہرہ اقبال، آمنہ مفتی اور رضیہ فصیح احمد نے ماحولیاتی مسائل کو براہِ راست موضوع بنایا۔ ان کے افسانوں میں آلودہ شہر، خشک زمین اور قدرتی وسائل کا بے دریغ استعمال تنقیدی انداز میں منظر عام پر آتا ہے۔

ماحولیاتی تبدیلی اور قدرتی وسائل کے استحصال نے جس طرح حیاتِ انسانی کو متاثر کیا قیامِ پاکستان کے بعد اردو افسانہ نگاروں نے بھی اس موضوع کو اپنی تخلیقات میں پیش کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد معاشرتی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ماحولیاتی تبدیلیاں بھی رونما ہوئیں۔ قدرتی وسائل کا بے دریغ استعمال، جنگلات کی کٹائی، آلودگی، آبادی میں اضافہ اور صنعتی ترقی نے ماحول کو بُری طرح متاثر کیا۔ اردو افسانہ نگاروں نے ان مسائل کو فکشن کی صورت میں پیش کر کے سماج کو آئینہ دِکھایا۔ اس حوالے سے پریم چند، انتظار حسین، منشایاد، رشید امجد، صدیق عالم، ناصر عبّاس نیرّ، مستنصر حسین تارڑ اور نیرّ اقبال علوی وغیرہ وغیرہ کے نام بطورِ خاص اہم ہیں۔

پریم چند اردو ادب کے اولین افسانہ نگاروں میں شامل ہیں۔ ان کے بعض افسانے ماحولیاتی تبدیلیوں کے حوالے سے اہم ہیں ان کا افسانہ "پوس کی رات" میں فطرت کی تبدیلیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ بے موسم بارش، ٹھٹھرتی سردی ہمیشہ سے غریب کسانوں کے لیے ایک بڑا خطرہ رہی ہے۔ مثلاً آندھی و طوفان میں کمزور اور غریب لوگوں کے گھر اُجڑ جاتے ہیں۔ اس طرح سیلاب میں گاؤں کے گاؤں بہہ جاتے ہیں۔ سردی کی سرد راتوں سے مقابلے کے لیے سر پر چھت، تن پر ایک گرم کپڑا وغیرہ جیسے مسائل غریب کسان کو پیش آتے ہیں۔ افسانہ "پوس کی رات" میں پریم چند نے دِکھایا ہے کہ جاڑے کے موسم میں انسان اور حیوان کس قدر مجبور، بے بس نظر آتے ہیں۔ اس افسانے کا مرکزی کردار ہلکو اپنے کھیت کی رکھوالی کے لیے مجبور ہے۔ اس افسانے میں پریم چند نے اپنی زندگی کی سختی، غریب کسان کی بے بسی اور فطرت کے بے رحم پہلو کو بڑے مؤثر انداز میں بیان کیا ہے۔ مثلاً:

> "ایک گھنٹہ گذر گیا۔ سردی بڑھنے لگی۔ ہلکو اُٹھ بیٹھا اور دونوں گھٹنوں کو چھاتی سے ملا کر سر کو چھپا لیا۔ پھر بھی سردی کم نہ ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارا خون منجمد ہو گیا ہے۔ اس نے اٹھ کر آسمان کی جانب دیکھا۔ ابھی رات باقی ہے....."۔[2]

ہلکو کے پاس سردی سے بچنے کے لیے وسائل نہ تھے۔ یہ صورتِ حال غریب طبقے کی ماحولیاتی دباؤ کے سامنے کمزوری کو ظاہر کرتی ہے۔ یعنی وسائل کی کمی کی وجہ سے وہ فطرت کی سختی کا زیادہ شکار ہوتے ہیں۔ اس افسانے کے مطالعہ سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فطرت کس طرح انسان کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے اور ماحولیاتی تبدیلیاں غریب طبقے کے لیے کتنی مشکلات پیدا کر سکتی ہیں۔

اکیسویں صدی کے اردو افسانوں میں انسانی زندگی کے پیچیدہ مسائل کے ساتھ ساتھ ماحول دوست شعور بھی اُبھر کر سامنے آیا ہے۔ جدید اردو افسانہ نگاروں نے ماحولیاتی تباہی کو صرف فطری منظر کشی کے طور پر نہیں بلکہ ایک فکری تہذیبی بحران کے طور پر پیش کیا ہے۔

مظہر الاسلام کے ہاں علامتی اسلوب میں فطری مظاہر اور ماحولیاتی عناصر کا گہرا تاثر پایا جاتا ہے۔ اصغر ندیم سیّد ماحولیاتی اور عمرانی موضوعات کو معاشرتی تناظر میں پیش کرتے ہیں۔ اکیسویں صدی کے مرد افسانہ نگاروں میں ناصر عبّاس نیّر کا افسانہ "درخت باتیں نہیں کرتے"، حسن منظر کا افسانہ "زمین کا نوحہ"، مستنصر حسین تارڑ کا افسانہ "لوہے کا کتا"، "بادشاہ" اور "درخت" اہم ہیں۔

عاصم بٹ کا" دائرہ"، چالیس سال پر محیط ایک لمحہ "عہدِ گذشتہ کی ایک کہانی"، ڈاکٹر سلیم اختر کا افسانہ "ہری ہری گھاس"، "احمق کٹھ پتلی" وغیرہ شامل ہیں۔ افسانہ نگاری میں ماحولیاتی عناصر ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں جو نہ صرف پس منظر کو حقیقت کا رنگ دیتے ہیں بلکہ کرداروں کی نفسیات، کہانی کی فضا اور پلاٹ کی ترقی میں بھی مؤثر ہوتے ہیں۔

رفیق حسین کی افسانوی کائنات میں تمام وقت ایک عجب ہلچل اور وسعت پذیری جھلکتی رہتی ہے۔ انھوں نے اپنی بیشتر کہانیوں میں پرندوں، جانوروں، جنگلی حیاتیات وغیرہ کو موضوع بنایا ہے۔ ان کے افسانوی مجموعہ "گوری ہو گوری" کے کئی افسانے حیوانی جبلتوں کے پیشِ نظر واضح اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کا پہلا افسانہ "کفارہ" جس میں ایک کردار کو جدید ماحول سے قدیم کی جانب مراجعت کرتے ہوئے دِکھایا گیا ہے۔

رفیق حسین کے ماحولیاتی آلودگی پر مشتمل افسانوں میں دھواں، دریا کا قیدی، بارش کے بعد شامل ہیں۔ ان کے افسانوں میں صنعتی آلودگی اور آبی آلودگی دونوں نمایاں ہیں۔ افسانہ "دھواں" میں فیکٹریوں اور چمنیوں سے اُٹھتے دھویں کو فضا میں زہر گھولتے دِکھایا گیا ہے جو مزدوروں اور عام شہریوں کی صحت کو برباد کرتا ہے۔ "دریا کا قیدی" افسانہ میں آلودہ پانی کی وجہ سے ماہی گیروں کی زندگی کی تباہی اور آبی حیات کی کمی کو موضوع بنایا گیا ہے۔

انتظار حسین کے افسانے ماحولیاتی تبدیلی کو انسانی تہذیب کے زوال کے مترادف پیش کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں پرندوں کی ہجرت، ندی نالوں کا خشک ہونا، زمین کی ویرانی شامل ہے۔ یہ نہ صرف فطرت کی بربادی کی علامت ہے بلکہ معاشرتی اور ثقافتی زوال کی بھی نشانی ہے۔ مثال کے طور پر افسانہ ''آخری آدمی'' میں زمین کی بے زبانی اور قدرتی ماحول کی تبدیلی کو انسانی بے حسی اور دوری کا آئینہ قرار دیا ہے۔ انتظار حسین کا افسانوی مجموعہ ''کچھوے''، اور ''خالی پنجرہ'' میں فطرت سے دوری، شہری زندگی کی بے حسی اور قدرتی ماحول کی تباہی کے موضوعات کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کے افسانے انسان اور فطرت کے بگڑتے ہوئے رشتے اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اُداسی اور کھوئے ہوئے ماحول کے ناسٹلجیا کو پیش کرتے ہیں۔ انتظار حسین کا افسانہ ''خالی پنجرہ'' میں ماحولیاتی زوال کا پہلو نمایاں ہے۔ توتے کا پنجرے سے غائب ہونا یا اس کا مر جانا شہری زندگی کے بڑھتے ہوئے دباؤ اور فطری ماحول سے دوری کی جانب اشارہ ہے کہ انسان کس طرح اپنی ترقی اور جدید دور کی تلاش میں فطرت اور اس کے باشندوں کو نظر انداز کر رہا ہے جس کے نتیجے میں قدرتی زندگی ختم ہوتی جا رہی ہے۔ افسانے کا اقتباس ملاحظہ ہو:

''پرندہ تو تھا مگر یار وہ تو ہماری ڈار میں شامل تھا..... ہمارے آنے پر کتنا تڑپتا تھا جیسے پنجرے کی تیلیاں توڑ کر باہر نکل پڑے گا اور کتنا شور مچاتا تھا۔ اس کی تڑپ اس کی چہکار میں مسرت کی ایک عجب لہر ہوتی تھی۔ اس کی دم سے پنجرہ رنگ اور حرارت سے لبالب بھرا دِکھائی پڑتا تھا۔ اور اب کتنا بے رونق کتنا اُجڑا اُجڑا نظر آتا ہے''۔ [3]

یعنی انتظار حسین کا افسانہ ''خالی پنجرہ'' صرف ماضی کی یادوں کا ہی استعارہ نہیں بلکہ فطرت سے دوری اور ماحولیاتی تباہی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خالی پن کا بھی استعارہ ہے۔ اس افسانے میں توتے کی چہچہاہٹ کا خاموشی میں بدل جانا فطری آوازوں کے معدوم ہونے اور شہری شور وغل کے غلبے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

انور سجاد کا افسانہ ''گائے'' میں انسان اور حیوان کے تعلق کی ایک جھلک ہے قدیم دور کا انسان چوپایوں کی مدد سے اپنا کام کرتا تھا اور فطری ماحول میں رہتا تھا مگر اب ٹیکنالوجی نے ان کی جگہ لے لی ہے اس طویل قربت کے سبب ماحول، انسان اور جانور کے مابین رشتہ انسیت قائم ہو گیا جو کہ فطری جذبہ ہے مگر معاشی کمزوری نے ماحول، انسان اور حیوان کے اس محبت کے رشتے کو بھی نہیں چھوڑا اس پر مادیت غالب آ گئی ہے۔ اسی طرح جنگلات اور جانور انسان کے ہمرکاب ہونے کے بجائے ایک شے تصور کیے جانے لگے اور ان کی قدر کو مادیت سے منسلک کر دیا گیا یہی وجہ ہے کہ لوگ درختوں کو کاٹ کر فروخت کرتے اور نفع کماتے ہیں۔ افسانہ گائے کا آغاز بھی اس نکتہ کو بیان کرتا ہے:

''ایک روز انھوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ اب گائے کو بوچڑ خانے میں ہی دیا جائے۔ اب اس کا دھیلا نہیں ملنا۔ ان میں سے

ایک نے کہا تھا ان مٹھی بھر ہڈیوں کو کون خریدے گا"۔[4]

منشا یاد کا افسانہ "درخت آدمی" جہاں خوب صورت منظر کشی اور ایک قدیم انسانی نظریے یا عقیدے پر یقین رکھتا ہے کہ درخت آدمی میں اور آدمی درخت میں ایک دوسرے کی روح کو تحلیل کر لیتے ہیں۔ اسی حوالے سے اس افسانے میں کردار کی روح بھی اس میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ اس میں ایک کردار جو درختوں سے حد درجہ محبت اور دوستی رکھتا ہے باوجود اس کے جب یہ نئی تعمیرات کی نوبت آتی ہے تو وہ سب کی خاطر اپنے قریبی دوست کو بھی کاٹنے سے گریز نہیں کرتا یہ آج کے انسان اور دور کا المیہ ہے۔ اس کی محبت دوستی کا حال ملاحظہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ کٹائی تو مسلسل جاری و ساری ہے۔ کرمو کی باغ سے محبت اور انسیت کا یہ عالم ہے کہ کٹنے کے بعد وہ کس صورتِ حال کا شکار ہوتا ہے۔

"اسے باغ کے کٹ جانے کا بہت دکھ تھا اس نے بہت مخالفت کی تھی مگر اس کی کون سنتا تھا جب تک بڑے چودھری صاحب زندہ تھے باغ قائم رہا مگر اس چھتنار کے گرتے ہی آپو دھاپی پڑ گئی سب کچھ تقسیم ہو گیا زمین ٹکڑوں میں بٹ گئی"۔[5]

اس افسانے میں چودھری صاحب کے گھر کی توسیع کے سلسلے میں جو منصوبہ جات زیر غور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ آج کے لوگوں کے ذہن کی طرح گھر تعمیر کر کے کرایہ تو وصول کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کے لیے درختوں کے لیے جگہ چھوڑ دینا عقلمندی کی بات نہیں سمجھتے۔

ڈاکٹر رشید امجد پاکستان سے تعلق رکھنے والے اردو کے نام ور افسانہ نگار اور اردو کے پروفیسر تھے۔ ماحولیاتی تبدیلیوں کے حوالے سے ان کا ایک اہم افسانہ "ہریالی بارش مانگتی ہے" اہم ہے۔ اس افسانے کا عنوان ہی ماحولیاتی موضوع سے گہرا تعلق ظاہر کرتا ہے۔ پیش نظر افسانہ بظاہر قحط سالی اور پانی کی قلت کے مسئلے کے گرد گھومتا ہے۔ جو کہ ماحولیاتی تبدیلیوں اور قدرتی وسائل کے بے دریغ استعمال کے نتیجے میں پیدا ہونے والا سنگین مسئلہ ہے۔ افسانے کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"ہریالی بارش مانگتی ہے اور بادل خوب گھِر گھِر آتے ہیں۔ لیکن بارش نہیں ہوتی۔ پیاسا شہر ہانپ کانپ کر اپنے ہی آپ سے باہر ابل پڑا ہے..... ایک پھیلاؤ ہے کہ سمٹے نہیں سمٹتا/ لیکن ایک دائرہ ہے گرداگرد جو تنگ تنگ ہی ہوتا چلا جاتا ہے"۔[6]

لفظ ہریالی صرف نباتات کی علامت نہیں بلکہ زندگی اور خوشحالی کی علامت بھی ہو سکتی ہے۔ بارش کی طلب دراصل زندگی اور خوشحالی کی طلب ہے۔ یہ افسانہ ایک وسیع تناظر میں پانی کی قلت اور قحط سالی کے مسئلے پر روشنی ڈالتا ہے۔ یہ افسانہ فطرت کی پکار انسانی رویوں کے اثرات اور امید کی ایک کیفیت کو فن کارانہ انداز میں پیش کرتا ہے اور ہمیں ماحولیاتی مسائل کی سنگینی پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

محمد حمید شاہد کے افسانے ماحولیاتی بحران کو انسانی المیے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں زرعی زمین کی کٹائی، پانی کی قلت اور کسانوں کی مشکلات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ افسانہ "مٹی آدم کھاتی ہے" زرعی زمین کے استحصال اور اس کے اثرات کو ایک دردناک داستان کے طور پر پیش کرتا ہے۔

ناصر عباس نیّر اردو ادب کے مقبول نقّاد، اُستاد اور افسانہ نگار ہیں۔ ان کا افسانوی مجموعہ "درخت باتیں ہی نہیں کرتے" ہے۔ یہ افسانہ ماحولیاتی تبدیلیوں کے حوالے سے اہم افسانہ ہے۔ اس افسانے میں زندگی، فطرت اور انسانی رویوں کے گہرے معانی کا بیان ملتا ہے۔ اس افسانے میں درخت کو بطور ایک استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ جو خاموشی سے سب کچھ دیکھتا اور محسوس کرتا مگر بول نہیں پاتا۔ اس افسانے میں درخت اپنی بے بسی اور خاموشی کے ذریعے ان ناانصافیوں کو بیان کرتا ہے جو اس پر اس کے ماحول پر ہو رہی ہیں۔ اس طرح یہ افسانہ دعوتِ فکر دیتا ہے کہ بنی نوعِ انسان کس طرح فطرت کے ساتھ اپنا تعلق توڑ رہے ہیں۔ انسان اپنی ترقی کی دھن میں فطرت کو بے دریغ نقصان پہنچا رہا ہے اور اس خاموش احتجاج کو سُننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ درختوں کی کمی کی سب سے بڑی وجہ درختوں کی کٹائی ہے۔

درختوں کو کاٹنے سے پرندوں کا نقصان ہوتا ہے اور پرندے ہجرت پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس افسانے میں مصنف بتایا ہے کہ جب انسان اپنے آبائی گھر چھوڑ کر شہر کی جانب ہجرت کرتے ہیں اور شہر کی رنگینیوں میں کھو جاتے ہیں تو نہ صرف ان کے آبائی گھر ویران ہوتے ہیں بلکہ وہاں موجود درختوں میں بھی اداسی چھا جاتی ہے۔ افسانے کا اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> "میں کوئی دس سال بعد اپنے آبائی گھر گیا.... ایک نحوست آمیز اداسی سارے گھر پر طاری تھی ..... کمروں سے نکل کر جیسے ہی صحن میں دوبارہ آیا تو ٹاہلی پر نظر پڑی..... میری آنکھوں میں نمی آگئی اچانک مجھے لگا کہ آج تو درخت مجھ سے باتیں کریں گے۔ میں دوبارہ سے لپٹا، کان ان کے تنوں سے لگائے رکھے۔ مگر سوائے ہوا کے اداس شور کے کچھ سنائی نہیں دیا"۔[7]

یعنی یہ افسانہ قارئین کو فطرت کی قدر کرنے اور اس کے ساتھ ہم آہنگی کا درس دیتا ہے۔

اردو افسانوں میں ماحولیاتی تبدیلیوں کے حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد افسانوں میں براہ راست ماحولیاتی تبدیلیوں پر تحریریں نمایاں طور پر نظر نہیں آتیں لیکن بعض افسانہ نگاروں نے مختلف زمانوں میں ان مسائل کو اپنے تخلیقی انداز میں بیان کیا ہے۔ ان موضوعات کا تذکرہ اکثر دیہی زندگی، سماجی مسائل اور انسانی نفسیات کی عکاسی کو ضمنی طور پر یا علامتی میں پیرائے میں ملتا ہے لیکن آج اکیسویں صدی میں بعض افسانہ نگاروں نے اب شعوری طور پر ماحولیاتی مسائل اور قدرتی وسائل کی اہمیت کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ ان افسانوں میں ماحولیاتی آلودگی، جنگلات کے کٹائی، پانی کی قلت،

حیاتیاتی تنوع کا نقصان اور موسمیاتی تبدیلیوں کے براہ راست اثرات کو افسانوں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اردو افسانوں میں قدرتی وسائل اور ماحولیاتی تبدیلیوں کا موضوع ایک ارتقائی عمل سے گزرا ہے۔ ابتدائی دور کے افسانوں میں یہ موضوعات دیہی زندگی اور فطرت کے اٹوٹ رشتے کے طور پر موجود رہے جبکہ عصر حاضر میں ماحولیاتی مسائل پر زیادہ توجہ دی جا رہی ہے اور انھیں اہم سماجی اور انسانی چیلنج کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ اردو افسانہ نگاروں نے ماحولیاتی تبدیلی اور قدرتی وسائل کے استحصال کو محض پس منظر کے طور پر نہیں بلکہ ایک فعال کردار کے طور پر پیش کیا ہے۔

اردو افسانہ ماحولیاتی بحران پر شعور اجاگر کرنے اور انسانی رویوں پر تنقید کرنے میں مؤثر ثابت ہوئے ہیں۔ یہ افسانے کے قارئین کو اپنی طرز زندگی پر غور کرنے اور ماحول کی حفاظت کی اہمیت سمجھانے کی مدد دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں اردو افسانہ صرف انسانی رشتوں اور سماجی مسائل کا عکاس نہیں بلکہ فطرت اور ماحول کی تصویریں بھی پیش کرتا ہے۔ ان افسانوں کا مقصد قارئین میں ماحول کے تحفظ کا شوق پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ فطرت سے ربط پیدا کرنا ہے تاکہ قاری میں ماحولیاتی ذمہ داریاں پیدا ہو سکیں۔

اکیسویں صدی میں ماحولیاتی ادب کی ضرورت اس لیے بھی بڑھ گئی ہے کہ انسان اور فطرت کا باہمی تعلق خطرے میں ہے۔ اردو افسانہ اس تعلق کو مضبوط کرنے میں ادبی کردار ادا کر سکتا ہے۔ فطرت کی تصویریں، موسم کی جھلکیاں اور ماحولیاتی مسائل کی پیشکش قاری کو یہ اس احساس دلاتی ہے کہ فطرت اور انسان کا رشتہ ٹوٹنے نہ پائے۔ موجودہ دور میں جب ماحولیاتی بحران شدت اختیار کر چکا ہے اردو افسانے کا یہ کردار مزید اہمیت اختیار کر گیا ہے۔

اگرچہ انسان ابتدا سے اپنی بقا کے لیے قدرتی وسائل پر انحصار کرتا چلا آیا ہے لیکن تمام قدرتی وسائل قابلِ تجدید نہیں ہوتے۔ ہماری خوراک، ہوا میں سانس لینا اور جو پناہ گاہ ہمارا مسکن ہوتی ہے وہ ماحولیاتی عناصر پر خاطر خواہ اثر ڈالتی ہے۔ لہٰذا ہمیں زمین اور انسانیت دونوں کی صحت اور لمبی عمر کی حوصلہ افزائی کے لیے ماحولیاتی عناصر پر توجہ دینے کی ضرورت ہے اور اسے بچانے کے لیے اہم اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ ہوا، پانی، مٹی، آگ جیسے ماحولیاتی عناصر کے تحفظ میں ہماری بقا پوشیدہ ہے اس کے لیے ہمیں فضا کو آلودہ ہونے سے بچانا ہو گا۔ درخت زیادہ لگائے جائیں تاکہ ماحول آلودہ نہ ہو۔ جنگلات کی کٹائی سے انسانی بستیوں پر منفی اثرات پڑتے ہیں جس کی روک تھام ضروری ہے۔ کسانوں کی حوصلہ افزائی کی جائے اور کھاد کے بغیر فصل اگانے کے لیے کسان کو معاوضہ فراہم کیا جائے۔ فضا اور ماحول کو آلودگی سے بچایا جائے۔ سکولوں، کالجوں اور عوامی مقامات پر ماحول دوست رویوں سے متعلق آگاہی مہم چلائی جائے۔ ماحولیاتی عناصر کے تحفظ کی بقا کے سلسلے میں ناصر عباس

نیّر افسانہ "کنویں سے کٹورے تک" میں خوب صورت تجویز پیش کرتے ہیں:

> "لوگ فن، سائنس، کرامتوں کے پیچھے دوڑتے ہیں لیکن جینے کے ڈھنگ کی طرف نہیں۔ وہ فطرت کے قوانین کو توڑتے، یا ان میں آزاد ہونا چاہتے ہیں لیکن جینے کے ڈھنگ کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ جو پہلے ہی سے ان کے اندر موجود ہے"۔[8]

افسانے کے محولہ بالا الفاظ بنی نوعِ انسان کے لیے ایک عالمگیر پیغام ہے۔ اگر انسان نے اپنے ماحول دُشمن اعمال و افعال پر غور نہ کیا، اگر اس دھرتی کو درپیش مسائل کا حل تلاش نہ کیا، ان مسائل کے حل کے لیے بروقت اقدامات نہ کیے تو ممکن ہے زمین ایسی جگہ بن جائے جہاں زندگی کا نظام بقا کے لیے شدید خطرے میں ہو گا۔

حواشی:

1 عبداللہ نعیم رسول، "اردو شاعری کا ماحولیاتی مطالعہ"، (سرگودھا: عقیدت پبلی کیشنز، ۲۰۲۳ء)، ص ۱۲

2 شمیم حنفی، "پریم چند کے منتخب افسانے"، (نئی دہلی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۶ء)، ص ۸۹، ۹۰

3 انتظار حسین، "خالی پنجرہ"، (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء)، ص ۵۰

4 انور سجاد، ڈاکٹر، "چوراہا"، (لاہور، نئی مطبوعات)، ص ۱۸۱

5 محمد منشایاد، "شہر فسانہ، ایک تھی فاختہ"، (اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)، ص ۲۶۷

6 رشید امجد، "عام آدمی کے خواب"، (اسلام آباد، پورب اکادمی، ۲۰۰۷ء)، ص ۳۱۵

7 ناصر عبّاس نیرّ، "راکھ سے لکھی گئی کتاب"، (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء)، ص ۱۶

8 ناصر عبّاس نیرّ، "کنویں سے کٹورے تک"، مشمولہ: "فرشتہ نہیں آیا"، (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۳ء)، ص ۹۵-۹۶